عشق سراب اور میں

سعدیہ عابد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سعدیہ عابد

ناولٹ

عشق سراب اور میں

دسمبر کا اوائل تھا، سردی کا وہ عالم تھا کہ ہر شے جمی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، مگر وہ ہڈیوں کو سرسراتی، ہاتھ پیروں کو سنسناتی سردی سے قطعاً بے نیاز بغیر کسی گرم کپڑے کے ٹیرس پر ٹہل رہی تھی، گرم سیال مادہ اس

کی آنکھوں سے نکلتا اس کے گلابی رخساروں کو نم کر رہا تھا، اس کی بے بسی اسے خون کے آنسو رلاتی ہر دوسرے احساس سے عاری کرتی جا رہی تھی، وہ اپنے ہی خیالوں کی الجھن میں الجھی تھی کہ اسے ملازمہ بلانے چلی آئی تھی۔

''بابا کو کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں ہوں، سو نہیں رہی؟'' اس نے خود کلامی کی تھی، جسے سن کر ملازمہ نے بتایا تھا کہ رؤف صدیقی نے اس کے ہاتھ عشبہ کے لیے دودھ بھیجا تھا اور وہ کمرے میں نہ تھی اور یہی بات اس نے رؤف صدیقی کو بتائی تھی اور انہوں نے اسے بلانے بھیج دیا تھا، وہ ملازمہ سے کہہ نہ سکی کہ وہ بابا سے جھوٹ ہی بول دیتی کہ عشبہ سو گئی ہے، وہ ہوا سے اڑتے آنچل کو پکڑتی سیڑھیاں اترنے لگی تھی، رؤف صدیقی اپنی اکلوتی بیٹی کے ٹھنڈ کی شدت اور گریہ و زاری سے پڑے سرخ چہرے اور نم آنکھوں کو دیکھ کر دل مسوس کر رہ گئے تھے۔

''عشبہ بیٹا! اتنی ٹھنڈ ہے، شال ہی لے لیتیں''۔ وہ قدرے بے بسی سے بولے تھے اور اس کے اٹھتے

قدم لڑکھڑا سے گئے تھے، اور ذہن میں گھمبیر لہجہ گونج اٹھا تھا۔

''شال پہنائے گا اب کون دسمبر میں تمہیں
بارشوں میں بھیگو گے تو یاد آؤں گا''

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے اور وہ تڑپ اٹھے تھے۔

''عشبہ!'' مگر وہ وہاں ٹھہری نہیں، اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی اور وہ تو جیسے اپنی جگہ جم سے گئے تھے۔

☆..........☆..........☆

''عشبہ! ایسے زندگی گزارنے کا کب تک ارادہ ہے؟'' عروج نے اس کی سرخ آنکھیں دیکھی تھیں، مگر پیپر شروع ہونے والا تھا، اس لیے کچھ نہیں بولی تھی اور وہ جب تین گھنٹے کا پیپر ایک گھنٹے میں آدھا کیے بغیر پروفیسر صاحب کو دیتی روم سے نکل گئی تھی تو وہ نہ اسے روک سکی تھی نہ اس کے پیچھے ہی آئی تھی، اپنا پیپر مکمل کر کے آئی تو اسے لابی کی اسٹیئرز پر بیٹھے دیکھ اس کے برابر ٹکتے ہوئے بولی تھی۔

''کیسی زندگی.... میں سمجھی نہیں؟'' وہ خیال سے چونک اٹھی تھی اور ایک نظر عروج کو دیکھ کر اپنے پیروں کو دیکھنے لگی تھی۔

''تم کیوں اپنا قیمتی وقت اپنی زندگی برباد کر رہی ہو عشبہ!'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''میں کیا کر رہی ہوں عروج! مجھ سے تو کچھ ہوتا ہی نہیں ہے، کل تک میرا دل میرے اختیار میں نہ تھا، آج میری سوچیں، میرا دماغ، میری صلاحیتیں کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں ہیں، میں اسی لیے یونیورسٹی جوائن کرنا نہیں چاہتی تھی، مگر بابا اور تمہاری ضد کے آگے ہار گئی، مگر گزرے 5 ماہ میں کتنے ہی میں نے لیکچرز اٹینڈ کیے مگر ایک بھی یاد نہیں ہے، کتابیں کھولتی ہوں تو اس شخص کا ظالم روپ صفحوں پر بکھر جاتا ہے، ایک لفظ یاد کیے بغیر پیپرز میں نجانے کیا لکھتی رہی ہوں میں، اندازہ بھی نہیں ہے مجھے عروج!'' اس کی آنکھوں سے پانی نکلنے لگا تھا۔

''تم اس بے حس شخص کو بھول کیوں نہیں جاتیں؟'' وہ چڑ کر بولی تھی۔

''میرے اختیار میں ہوتا تو ضرور کر جاتی، وہ تو یاد نہ کرنے پر بھی شدت سے یاد آتا ہے، کبھی اس کی اچھائیوں و کرم نوازیوں کو سوچ کر روتی ہوں تو کبھی اس کی برائیاں، اس کا کیا ظلم مجھے ہنسانے آ جاتا ہے''۔ وہ بے بسی کی تصویر بنی اس کے سامنے تھی، جو ہنستی مسکراتی، لمحے لمحے کو جیا کرتی تھی، اب دکھوں کی عملی تفسیر بن کر رہ گئی تھی۔

''تم پاگل ہو گئی ہو اور کچھ نہیں، وہ شخص جو تمہارے ساتھ مخلص نہ تھا، جو ایک کرپٹ شخص تھا، اس کی برائیوں کی فہرست بتانے کی تمہیں ہرگز بھی ضرورت نہیں ہے اور جس شخص کا نہ ظاہر اچھا تھا نہ ہی باطن، جس نے تمہارے ساتھ برا کیا، تمہارے ساتھ کتنا کچھ غلط کیا، جو ملک دشمن ہے، ڈرگز اور ہتھیاروں کا کاروبار کرتا ہے، تم ایک ایسے بدنیت و بدکردار شخص کے لیے اپنی زندگی تباہ کیسے کر سکتی ہو؟''

''پلیز عروج! اسے ایسا کچھ نہ کہو کہ میں برداشت نہ کر سکوں''۔ وہ بے حد تڑپ کر بولی تھی۔

''اس کو جانتے ہوئے بھی، اس کی حرکتوں، کاموں سے واقف ہوتے ہوئے بھی، اس کی تم حمایت کر بھی کیسے سکتی ہو؟'' وہ غصے میں آ چکی تھی۔

''میں کر سکتی ہوں عروج! کیونکہ میں اسے بہت اچھے سے جانتی ہوں وہ ہر طرح کی برائی کا شکار

جانتی ہوں، مگر وہ بدکردار نہیں ہے، وہ ظالم ہے، ملک دشمن ہے، اس نے میرے جذبات کی توہین کی ہے، وہ بے وفا ہے، وہ ہر طرح کی شخصی برائی میں مبتلا ہے، چین اسموکر ہے، ڈرنکر ہے، لیکن بدکردار نہیں ہے''۔

''اور اس کی اس ایک خوبی کے سبب تم نے ہمیشہ اس کی ان گنت خامیوں کو نظر انداز کیا ہے، مگر کسی لڑکی کے جذبات سے کھیلنا کہاں کی باکرداری ہے؟'' وہ اس شخص کی خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے بھی طنز کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔

''کسی لڑکے سے ملنا اس کی راہ میں کھڑا ہونا، باتیں کرنا کہاں کی باکرداری ہے؟ اگر وہ بدکردار ہے تو میں بھی تو بدکردار ہی.....!''

''توبہ کرو عشبہ! اس شخص کی حمایت میں اس کی محبت میں خود کو یوں ڈی گریڈ نہ کرو، وہ تمہاری محبتوں کے لائق نہیں ہے''۔ اس نے عشبہ کو ٹوکا تھا اور قدرے بے بسی و غصے سے بولی تھی۔

''وہ کس لائق ہے یہ کوئی میرے دل سے پوچھے، اس کی بے وفائی و کج ادائیوں کے باوجود ایک لمحے کو بھی گزرے گیارہ ماہ میں اسے بھلا نہ سکی، اس نے وہ کیا جو وہ کرسکتا تھا، کرنا چاہتا تھا اور میں وہ کر رہی ہوں جو کرسکتی ہوں''۔ اس نے آنسو پونچھے تھے۔

''تم نے سوچا ہے تمہارا یہ رویہ انکل کو کتنا تکلیف دے رہا ہے؟ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں، تمہارے لیے ہر وقت پریشان رہتے ہیں، وہ شخص تمہیں تمہارے باپ سے زیادہ عزیز ہے عشبہ؟ کہ اس کی خاطر دنیا تو تیاگی ہی تیاگی، باپ بھی نظر نہیں آتا تمہیں، تمہیں وہ دکھی نہیں دکھ پا رہے، اپنا نہیں تو ان کا ہی خیال کرلو، کچھ ہوگیا ناں انکل کو تو صرف پچھتاوے رہ جائیں گے تمہارے پاس، ابھی وقت ہے اسے ایسے ہی بھلا دو جیسے وہ تم کو

بھول کر اپنی بے راہ زندگی میں مگن ہے، موت کا کاروبار کرتا ہے، جس نے تمہارے احساسات مردہ کردیئے ہیں، جیتے جی مار دیا ہے تمہیں، تم اسے اپنے لیے مردہ سمجھ لو کہ اب اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا کہ محبت کا کھیل بھی کب کا ختم ہوچکا ہے، اپنی زندگی کو خود ساختہ محبت و اذیت سے نکال لو اور نئی زندگی شروع کرو، انکل تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں عشبہ! تم بھول جاؤ اسے اور شادی کرلو''۔

''میں نہ اسے بھول سکتی ہوں، نہ بھولنا چاہتی ہوں اور جو مقام اسے دینا چاہتی تھی میں وہ کبھی کسی کو نہیں دوں گی، وہ بے وفا ہوسکتا ہے، میں تو بے وفا نہیں ہوں، تو میں کیوں اور کسی کا ہاتھ تھاموں؟ مجھے کسی سے شادی نہیں کرنی، زیان محسن لغاری نہیں تو کوئی بھی نہیں''۔ وہ اپنے کاندھے سے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹکتی بڑی تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی، گھر پہنچی تو بری خبر کو اپنا منتظر پایا اور وہ الٹے قدم ہاسپٹل دوڑی۔

''انکل! بابا.....'' وہ آئی سی یو سے نکلتے ڈاکٹر منصور کو دیکھ کر ان کی طرف لپکی تھی، ڈاکٹر منصور اس کے بابا کے اسکول فرینڈ تھے۔

''ڈونٹ وری عشبہ! رؤف بالکل ٹھیک ہے، ٹریٹمنٹ کردیا گیا ہے، کچھ دیر میں روم میں اسے شفٹ کردیا جائے گا، تم بالکل پریشان نہ ہو اور میرے ساتھ آؤ، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے''۔ وہ آنسو گرتی ان کے ساتھ ہی ان کے روم میں آگئی۔

''رؤف کی یہ حالت تمہاری ٹینشن میں ہوئی ہے، وہ تمہیں لے کر بہت پریشان تھا، کل شام بات ہوئی تھی میری تمہارے بابا سے، وہ تمہاری شادی کردینا چاہتا ہے، مگر تم مان نہیں رہیں، رؤف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہے، میں تمہارے دکھ کی اور شادی سے انکار کی وجہ تو

نہیں جانتا، مگر اتنا کہوں گا کہ اپنے بابا کی زندگی چاہتی ہو تو اپنے دکھوں سے نکل آؤ اور شادی کر لو''۔ اسے امید نہ تھی کہ ڈاکٹر منصور اس سے یہ سب کہیں گے۔

''بابا ٹھیک ہیں ناں انکل؟''

''ہاں، فی الحال.... مگر یہ اس کا دوسرا اٹیک تھا، تیسرا جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے اور ابھی وہ صرف بہتر ہے، مکمل صحت یاب نہیں ہے، صحت و تندرستی کی طرف وہ تمہاری طرف سے مطمئن ہو کر ہی لوٹ سکتا ہے، تم رؤف کی اکلوتی اولاد ہو، بہت چاہتا ہے وہ تمہیں، تمہاری خاطر بہت کچھ کیا اس نے، سوتیلی ماں نہ دینے کی خاطر بھابی کے مرنے کے بعد اکیلے ہی ماں باپ کا پیار دیا، دنیا کا ہر وہ سکھ جو وہ تمہیں دے سکتا تھا دیا، اب اس کی خواہش تمہیں دلہن بنے دیکھنے کی ہے، وہ تمہیں تمہارے گھر میں ہنستے بستے دیکھنا چاہتا ہے، اپنے باپ کو یہ خوشی دے دو عشبہ بیٹا!'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور ان کے کمرے سے باہر نکل آئی اور اب گاڑی میں اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

''بابا! میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں، میں آپ کو اپنی وجہ سے دکھی نہیں کرنا چاہتی، آپ کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی ہوں، مگر یہ خوشی میں آپ کو کیسے دوں؟ وہ شخص مجھے نہیں بھولتا اور کوئی مجھ سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں، کیسے شادی کرے گا؟ کہ میں بتاؤں نہ بتاؤں، منہ سے ایک لفظ نہ کہوں مگر وہ شخص تو آج بھی میرے رویوں سے میری آنکھوں سے بیان ہوتا ہے۔ آپ اتنا اعلیٰ ظرف شخص کہاں سے لائیں گے بابا! جو میری آنکھوں میں کسی اور کا عکس دیکھ کر بھی مجھے خوش رکھے گا؟'' وہ اپنی سوچیں با آواز بلند کہتی سسک رہی تھی اور جب عروج سے اس کی بات ہوئی اس نے یہی سب اس سے بھی کہہ دیا۔

''تم خود بتاؤ عروج! کیا تم کسی ایسے شخص سے شادی کر سکتی ہو، جو کسی اور سے محبت کرتا ہو، نہیں ناں، یہ بات تم عورت ہو کر گوارہ نہیں کر سکتیں تو ایک مرد یہ بات کیسے گوارہ کرے گا کہ اس کی بیوی کی سوچوں پر اس کے دل پر کسی اور کا قبضہ ہے؟'' وہ ہلکے سے طنز سے بولی تھی۔

''تم ماضی کو بھلا کر حال میں زندہ رہو تو سب کچھ ممکن ہے، میں جانتی ہوں تمہیں کہ تم نے شادی کرنی ہی نہیں ہے اس لیے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی تاویلیں لا رہی ہو، جبکہ وہ شخص تمہارا ماضی تھا، اسے بھول جاؤ، اس کی یادوں سے نکل آؤ، شادی کرو اور اس کو سوچو جو تمہارا شوہر ہو، ایک محبت آخر نہیں ہوتی، زندگی گزارنے کو ہزار بہانے ہوتے ہیں اور تم اپنے بابا کی صحت کے بہانے ہی پرانی باتیں و یادیں بھول کر نئے سفر کی جانب قدم رکھ لو کہ تم تو پرانی یادیں ہی سینے سے لگائے بیٹھی ہو، جب نئے عکس آنکھوں میں سجاؤ گی تو ہی پرانے عکس ساتھ چھوڑیں گے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک عکس پر دوسرا عکس اپنا بسیرا کرے کہ سایہ تو چھوڑ سکتا ہے بسیرا نہیں کر سکتا، اس نئے سائے سے بھاگنے کی بجائے اس کے تعاقب میں بڑھو عشبہ! تب ہی تم زندگی کی خوشیوں کو پا سکو گی کہ پرانا سایہ نہ تمہیں دھوپ دے گا نہ چھاؤں اور نیا سایہ بہت ممکن ہے کہ تمہاری آنکھوں میں ٹوٹی خوابوں کی کرچیوں کو سمیٹ کر خوشیوں کی چھاؤں میں لے جائے، ماضی کے حصار سے نکل کر مستقبل کے تعاقب میں نکلو اسی میں تمہاری بھلائی اور خوشیاں پوشیدہ ہیں''۔ وہ بہت پیار سے دوستانہ لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی اور وہ ایک لفظ نہیں بولی تھی، خاموشی سے اس کی

آنسو اس کی بے بسی اور دکھ کی داستان سنانے لگے تھے۔

''عروج! امم مم..... میں صرف ایک دفعہ زیان سے ملنا چاہتی ہوں''۔ وہ کافی دیر کی خاموشی کے بعد جو بولی تھی اسے سن کر وہ چلا اٹھی۔

''واٹ.....؟ دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا؟'' وہ اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو چلا ہو اور وہ بیڈ سے اترتی صوفے پر بیٹھی عروج کے برابر آکر بیٹھ گئی۔

''صرف ایک دفعہ عروج! صرف ایک دفعہ، میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں، کہ وہ میرے بغیر خوش ہے، اس نے مجھے فراموش کر دیا ہے، اپنے دل سے میری محبت نکال دی ہے، وہ مجھے اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن لگا تو میں زندگی کی راہ پر آگے بڑھ جاؤں گی''۔

''اور وہ تمہیں خوش نہ لگا تب کیا کرو گی؟ جہاں تھمی ہو وہیں ٹھہری رہو گی، بے وقوفی کی حدود سے نکل آؤ عشبہ! اسے تم سے محبت نہیں تھی، تبھی وہ تمہیں چھوڑ گیا''۔

''اس کی مجبوری بھی ہو سکتی ہے عروج!''

''ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے، تم اسے بھول بھی سکتی ہو، کسی اور کا ہاتھ تھام سکتی ہو، وہ تمہارے ساتھ تو کیا خود اپنے ساتھ مخلص نہ تھا، اور خود غرض انسان کے لیے خود کو اپنے جذبوں کو برباد نہ کرو، وہ چاہتا اسے تم سے محبت ہوتی تو وہ برائی چھوڑ دیتا، جبکہ تم نے اس سے کبھی یہ مطالبہ نہ کیا تھا، وہ اس کی تمام اچھائیوں و برائیوں سمیت تمہیں عزیز تھا، کیونکہ تمہیں اس سے محبت تھی، مگر اسے تم سے محبت نہ تھی جب ہی تمہاری محبت کو اس نے کبھی ایکسپیٹ نہیں کیا، کبھی سیدھے منہ تم سے بات نہیں کی تو کون سی ادا سے اس کی تمہیں لگا کہ وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے؟ جب اس نے محبت کی ہی نہیں تو وفا نبھاتا کیسے؟ وہ تمہاری زندگی میں کبھی آیا ہی نہیں، اس لیے تمہیں چھوڑ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

''نہ تم سمجھ سکتی ہو نہ ہی میں تمہیں سمجھا سکتی ہوں کہ اس کی کس ادا نے مجھے احساس دلایا کہ راہ محبت پر میں تنہا نہیں ہوں، میری نگاہ میں جب وہ نہ تھا تب بھی تھا، جب تھا تو بھی تھا، اب چلا گیا ہے تو بھی ہے، اور میں اس کی نگاہ میں کبھی نہ تھی، اس نے مجھے ہمیشہ اگنور کیا، کبھی نظر بھر کر بھی نہ دیکھا، اور اس کے گریز میں کچھ تو تھا''۔

''تم بس یہ فضول فرضی باتیں کر کر کے ہی اپنی زندگی برباد کیے جاؤ، تم نے خود کو اس کی محبت میں کتنا ڈی گریڈ کر لیا، تمہیں احساس نہیں ہے، مگر میں بھول نہیں پاتی تمہاری وہ تذلیل جب تم کسی بھکارن کی طرح اس کے سامنے دست محبت بلند کیے کھڑی تھیں اور اس نے تمہاری محبت ٹھکرا دی تھی، تمہارا وہ رونا، تڑپنا آج گیارہ ماہ بعد بھی تصور میں آتا ہے تو میں کانپ اٹھتی ہوں، مگر وہ بے حس پتھر شخص اس پر تمہارے کسی گریہ وزاری کا قطعاً اثر نہ ہوا، اس کی جگہ پتھر ہوتا تو بھی اس کا سینہ تمہاری محبت، تمہاری التجا، تمہاری تڑپ پر شق ہو جاتا، مگر اس کا ایک انکار اقرار میں نہ بدلا، وہ چاہتا تو تمہیں تمہاری خاطر اپنا لیتا، مگر نہیں وہ تو تمہیں تڑپتے بلکتے دیکھ کر اپنی نجانے کونسی حس کو سکون پہنچاتا رہا، تم نے اپنی پہلے ہی کم تذلیل نہیں کروائی عشبہ! اب مزید اس راہ پر نہ چلو، اس کا خیال دل سے نکال دو کہ وہ حقیقت ہے نہ کوئی خواب، کہ خوابوں کی بھی تعبیر مل جایا کرتی ہے، وہ تو محض ایک سراب ہے، جتنا اس کے پیچھے بھاگو گی وہ تمہیں اور دوڑائے گا، تھک جاؤ گی مگر دوڑتی رہو گی، حاصل کچھ نہ ہو گا کہ سرابوں کے پیچھے بھاگتے رہنے سے سراب زندگی نہیں بنتے، زندگی چھین لیتے ہیں''۔ اس نے عشبہ

کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھا اور اس کا ہاتھ تھام کر ہلکے سے دبایا تھا اور وہ سسکنے لگی تھی۔

''آئی نو ہم، عروج! آئی نو ہم، وہ مجھے نہیں بھولتا، اس کی محبت کی جڑیں میرے اندر تک پھیلی ہوئی ہیں، ان جڑوں کو اکھاڑ نہیں سکتی''۔ وہ بے بس سی بولی تھی اور کمرے میں اس کی سسکیاں گونجنے لگیں۔

''ان گیارہ ماہ میں، میں کتنے ہی تجربوں سے گزری ہوں، ایک اور تجربہ سہی، بابا سے کہہ دینا کہ میں شادی کے لیے تیار ہوں، لیکن اس شخص کو اہمیت نہ دے سکوں، اور وہ مجھ سے بیزار ہو کر مجھے چھوڑ دے تو مجھے الزام نہ دینا''۔ اس نے آنسو رگڑے تھے۔

''مگر تم نے اپنی روش ضرور بدلنا ہے، کوشش ضرور کرنی ہے اس شخص کو اہمیت دینے کی، اپنے لیے نہیں اپنے بابا کے لیے کہ وہ تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتے ہیں''۔ وہ اس کے یکدم پتھریلے ہو جانے والے چہرے کو دیکھ کر ڈری ضرور، مگر پھر امید پر دنیا قائم ہے سوچتی مطمئن ہو گئی، اور اس نے رؤف صدیقی کو اس کے اقرار کا بتا دیا اور انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ لیا اور بیٹی کی شادی اپنی حیثیت سے کم لوگوں میں کرنے کا سوچ لیا کہ انہیں بیٹی کے انداز و تیور تو نظر آ ہی رہے تھے، اس لیے انہوں نے سوچا کہ کم حیثیت داماد ہوگا تو کم از کم دب کر رہے گا، ان کی یہ سوچ کافی خود غرضی پر مبنی تھی، مگر وہ بیٹی کی محبت میں خود کو مجبور پا رہے تھے اور ایسے میں ان کی نگاہ کرم حال ہی میں منیجر کی پوسٹ سنبھالنے والے رضا احمد پر ٹھہر گئی اور رضا ان کی بات و مدعا سن کر تو متحیر ہی رہ گیا اس سے پہلے کہ وہ انکار کرتا کہ انہوں نے اسے سوچنے کے لیے کہا اور اگلے ہی دن فائل کے بہانے اسے گھر بلا لیا، وہ چاہتے تھے کہ وہ عشبہ کو دیکھ کر فیصلہ کر لے، اور عشبہ کو دیکھ انہیں اندازہ تھا کہ وہ انکار نہیں کر پائے گا کہ عشبہ کافی خوبصورت اور اسمارٹ لڑکی تھی، کوئی بھی اس سے آرام سے شادی کر سکتا تھا، اور انہیں بیٹی کے لیے ویسے تو رشتوں کی کمی نہیں تھی، مگر وہ سمجھتے تھے کہ وہ کس طرح راضی ہوئی ہے، اسے سب کچھ قبول کرنے میں وقت لگے گا اور ان کی سوسائٹی کا مرد جسے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے، وہ کیوں ایسی لڑکی کو برداشت کرے گا جو کسی اور سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے اور فی الحال اسے بھلانے کو سمجھوتہ کرنے کو بھی راضی نہیں ہے، عشبہ کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا تھا۔

''رضا....! تم یہاں؟'' وہ اس کی کیفیت سے انجان خوشگوار لہجے میں بولی تھی اور وہ لہجے میں سمجھ گیا تھا کہ وہی رؤف صدیقی کی اکلوتی بیٹی ہے، وہ دونوں کالج میں کلاس فیلو تھے، بے تکلفی تو نہیں ان لوگوں میں کافی اچھی علیک سلیک تھی، یہ اور بات تھی کہ رضا پہلی ہی نظر میں عشبہ سے محبت کر بیٹھا تھا، مگر وہ اپنی حیثیت جانتا تھا، اس لیے کبھی اپنی فیلنگز ظاہر نہیں ہونے دی تھیں اور اب قسمت مہربان ہو رہی تھی تو اس نے ہاں کر دی تھی اور ایک ہی مہینے میں ان کی شادی ہو گئی، رضا مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتا تھا، دو بڑی بہنیں شادی شدہ تھیں، ایک چھوٹی بہن انٹر میں پڑھتی تھی، فادر کی ڈیتھ ہو چکی تھی، والدہ تھیں، خود اس نے ایم اے کیا ہوا تھا، وہ آج بہت خوش تھا، اپنی قسمت پر نازاں ہوتا وہ ایک سرشاری کی کیفیت میں اپنے روم میں داخل ہوا، مگر اس کی کیفیت سرشاری کچھ ہی دیر میں پریشانی میں ڈھل گئی کہ بیڈ پر تکتے ہوئے اس نے سلام کیا تھا اور اس نے جواب تو نہیں دیا مگر پیچھے کی جانب کھسک گئی اور وہ اسے دیکھنے لگا، کالج میں ان کا 2 سال تک ساتھ رہا تھا اور اس نے عشبہ کو ہمیشہ بہت سادگی میں کالج یونیفارم میں دیکھا

اور اس وقت وہ سرخ عروسی جوڑے میں، ہیوی جیولری و ہیوی میک اپ میں اپنی تمام تر خوبصورتیوں کو مزید ابھارے اس کے سامنے موجود تھی۔

"عشبہ.....!" اس نے نہایت نرمی سے اسے پکارا، اور وہ اب اسے حیرانگی سے دیکھ رہا تھا، جو دھیرے دھیرے لرز رہی تھی اور آنسو بڑی ہی روانی سے اس کے چہرے پر لکیریں بناتے جا رہے تھے۔

"عشبہ!" حیرانگی سے اب کے اس کا نام پکارا تھا اور بیڈ پر رکھے اس کے ہاتھ کو تھوڑا سا اس کی جانب کھسکتے ہوئے تھام لیا تھا اور جیسے اس کی خاموشی توڑنے کا اسے جواز فراہم کر دیا۔

"ڈونٹ ٹچ می، دور رہو مجھ سے"۔ ہاتھ چھڑاتی چیختی بیڈ کراؤن سے جا لگی تھی اور وہ اسے نہ سمجھ آنے والی بے یقین نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"عشبہ! کوئی بات ہے تو بتاؤ، اس طرح کیوں رو رہی ہو؟" الجھن اور پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی اور اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تو جیسے اس کے حواس لوٹنے لگے، وہ بے خیالی میں، نہ جانے کیا کر بیٹھی تھی، اس نے آنسو رگڑے اور انگلیاں مروڑتے ہوئے منمنائی۔

"آئی ایم سوری!" اس نے کچھ دیر جانچتی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا اور کچھ سوچ کر بولا۔

"جا کر چینج کر لو، فریش ہو کر آ جاؤ پھر بات کریں گے"۔ اب کے اس نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا، وہ غیر معمولی سنجیدہ لگا اور وہ لہنگا سنبھالتی اٹھی، احتیاط سے جیولری اتار کر ڈریسنگ پر ڈالی اور واش روم میں چلی گئی، وہ شین کی کڑھائی کے نفیس سادہ پنک سوٹ میں واپس لوٹی اور جیسے وہ اس کے لوٹنے کا ہی منتظر تھا، اس نے ٹہلنا بند کر دیا اور بولا۔

"عشبہ! مجھے صرف ایک بات کا سچائی سے جواب دے دو کہ یہ شادی تمہاری مرضی سے ہوئی ہے یا نہیں؟" اس نے بہت گھبرا کر اسے دیکھا۔

"ہاں، یا نہیں؟" اب کے سختی سے کہا تھا۔

"وہ.....رضا.....میں.....!" اس کا لہجہ کانپتا ہوا تھا۔

"ہاں یا نہیں؟ جھوٹ بالکل مت بولنا کہ جھوٹ مجھے کسی صورت برداشت نہیں ہوتا"۔ اس نے سختی سے تنبیہ کی تھی۔

"ہاں!" وہ بولی تھی اور وہ اپنے اور اس کے درمیان کا فاصلہ طے کرتا سختی سے اس کا بازو دبوچ گیا۔

"جھوٹ نہیں سنوں گا میں عشبہ! اور اگر تمہاری رضامندی شامل تھی تو تمہارا رویہ.....اسے کیا نام دو گی تم؟ نکاح کیا ہے تم سے، بیوی بنا کر لایا ہوں، اور تم مجھے فاصلے پر رہنے کو کہہ رہی ہو، جس سے فاصلے مٹانے کا جائز شرعی حق ہے، تمہارے رویے کی جواب طلبی چاہیے مجھے"۔ وہ سخت کھردرے لہجے میں بولتا اس کو بری طرح خوفزدہ کر گیا۔

"ٹھیک ہے، نہیں کچھ کہنا، تو میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا، لیکن تمہارے بابا سے جواب طلبی ضرور کروں گا کہ جب تم راضی نہ تھیں تو کیوں انہوں نے زبردستی تمہیں میرے نکاح میں دیا؟" اس کی خاموشی بری طرح کھلی تھی، جھٹکے سے بازو آزاد کر کے درشت لہجے میں بولتا اس کو اب کے صحیح معنوں میں پریشان کر گیا۔

"آپ پلیز بابا سے کچھ مت پوچھیے گا، وہ ہرٹ ہوں گے، اور میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہی، شادی میری مرضی سے ہوئی ہے، یہ ٹھیک ہے میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، لیکن بابا مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں، میری وجہ سے وہ پریشان ہیں، اس لیے میں نے صرف

بابا کی وجہ سے شادی کے لیے حامی بھری''۔ وہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔

''شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی تھیں؟'' وہ اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں اس لیے، کیونکہ میں کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی''۔ نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور وہ طنز سے ہنس دیا۔

''اور دھوکا دینا کسے کہتے ہیں؟ عشبہ رؤف! جب محبت کسی اور سے کرتی تھیں تو کیوں کی مجھ سے شادی؟ اپنے باپ کی صحت کی خاطر، ان کی خوشی کے لیے نا؟ تو دھوکا جب مجھے دینا ہی نہیں چاہتی تھیں تو پہلے یہ سب مجھ سے کہا کیوں نہیں، سچائی سن کر اعلیٰ ظرفی دکھا سکتا تو دکھاتا، مجھے دھوکے میں رکھ کر نکاح کیوں کیا؟ اور کر ہی لیا تو ساری سچائی جب پہلے نہیں بتا سکتی تھیں تو اب کیوں بتائی؟ کیسے بھی نکاح کر لیا تھا تو کم از کم اپنی پرانی محبت بابل کی دہلیز پر ہی چھوڑ کر آنا تھی، دھوکا نہیں دینا چاہتی تھیں، اونہہ.....!'' نہایت غصے سے کہہ کر طنز سے ہنکارا بھرا تھا۔

''میں نے آپ کو کوئی دھوکا نہیں دیا، میں نے ساری سچائی آپ کو ایک پیپر پر لکھ کر بتا دی تھی، زبان سے میں نے بے حد، بے حساب محبت کی ہے، اس کا خیال کبھی دل سے نہیں نکال سکی تھی، چاہ کر بھی نہیں، اس لیے میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر جب ڈاکٹر انکل نے کہا کہ مجھے اپنے بابا کی خوشی کے لیے ان کی صحت کے لیے ان کی بات مان لینی چاہیے تب بھی میں یہ سوچ کر راضی نہیں ہو پا رہی تھی کہ جس سے شادی کروں گی یہ اس کے ساتھ زیادتی ہوگی اور وہ یہ سب برداشت بھی نہ کرے گا، اس لیے میں نے جب بابا کے لیے ہاں کرنے کا سوچا تب یہ تمام باتیں میرے ذہن میں تھیں اور جب بابا نے مجھے بتایا کہ انہوں نے میرا رشتہ آپ سے طے کر دیا ہے، تو میں چاہ کر بھی آپ کو دھوکے میں نہ رکھ سکی، فون کیا مگر بتا نہ سکی، آپ گھر آئے تب بھی کچھ نہ کہہ سکی، اس لیے میں نے تمام باتیں کاغذ پر لکھیں اور آپ کے گھر وہ خط سینڈ کر دیا، آپ کی طرف سے اس کے بعد کوئی ردعمل سامنے نہ آیا تو میں نے سوچا شاید آپ میرا ساتھ دیں گے کہ میں نے تو خط میں یہی لکھا تھا کہ آپ مجھ سے پیپر میرج کر لیں''۔

''اوہ.....تو میرے کس عمل سے تمہیں لگا کہ میں تم سے جسٹ پیپر میرج کر رہا ہوں''۔ وہ کافی غور سے سنتا سخت برہمی سے بولا تھا۔

''شادی کے ڈریس کے کلر سے میں نے خط میں یہی لکھا تھا کہ آپ مجھ سے پیپر میرج کے لیے تیار ہوں تو ویڈنگ ڈریس ریڈ ہوگا، اور شادی بہت سادگی سے ہوگی''۔

''تم کس خط کی بات کر رہی ہو میں نہیں جانتا کہ مجھے تمہارا کوئی خط نہیں ملا اور تمہیں مجھ سے اتنی بڑی بات، اتنی بڑی حماقت کی امید ہوگی، لیکن میں اتنی بڑی حماقت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا ہوں، تم نے خود ہی شرائط رکھیں، خود ہی خود ہر فیصلہ کرتی چلی گئیں، کوئی ایک بات، کوئی ایک اشارہ مجھے ایسا نہیں ملا کہ میرا ماتھا ٹھنکتا، اور مجھے تو یہی لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو، میری تو مت ہی ماری گئی تھی، یہ سوچنے کی کوشش بھی نہ کی، پوچھنا تو درکنار کہ مجھ میں ایسی کیا خوبی نظر آئی رؤف صدیقی کو جو انہوں نے میرے جیسے غریب انسان کو اپنا داماد بنا لیا، مگر کھیل اب میری سمجھ میں آ گیا ہے، میں حیثیت و طاقت و مرتبے میں کم ہونے کی وجہ سے نہ تمہیں نہ تمہارے باپ کو کچھ کہوں گا، مگر یہ تم لوگوں کی

غلط فہمی ہے، یہ بات تو مجھے گوارہ ہے ہی نہیں کہ میری بیوی کسی اور کو سوچتی رہی ہے اور سوچتے رہنا چاہتی ہے، تب ہی تو پیپر میرج کی بات کی، میں تمہارے ڈرامے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا، تمہارے لیے خاص انداز سے سوچا تھا تب ہی جب سر نے بات کی تو میں نے ہاں کردی، لیکن یہ بات مجھے برداشت نہیں ہے کہ میری بیوی کے خوابوں وخیالوں میں کسی اور کا بسیرا رہا ہے اور آگے بھی رہے گا جب تک وہ سمجھوتہ نہیں کرلیتی۔ مجھے یہ سب منظور نہیں، مجھے کاغذی شادی منظور نہیں ہے، اس لیے میں تمہیں آزاد....!"

"نہیں، پلیز نہیں رضا! آپ کو اللہ کا واسطہ ایسا نہ کریں، میرے بابا مرجائیں گے"۔ وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"میں رشتوں اور شریعت کے ساتھ مذاق نہیں کرسکتا عشبہ! میری ماں میری شادی سے کتنی خوش ہے، آج ہی تم لوٹ جاؤ تو زیادہ بہتر ہے کہ تمہاری پلاننگ تو جلد بدیر لوٹنے ہی کی ہے، تم اپنے بابا کی خوشی کے لیے انہیں دھوکا دے سکتی ہو، مگر میں اپنی ماں کو دھوکا نہیں دے سکتا، وہ پیار سے تمہیں لائی ہیں، عزت سے اہمیت دیں گی اور تم ایک دن لوٹ جاؤ گی، میں اپنوں کو کیوں دھوکا دے کر تمہارا عادی بناؤں، اور مجھے کس بات کی سزا ملے؟ میں نام نہاد رشتے کو قائم نہیں رکھ سکتا"۔

"پلیز ایسا مت کریں رضا! میں نے آپ کو دکھ نہیں دینا چاہا تھا، اس لیے میں نے اس طرح کی بات کی کہ مجھے لگتا تھا کہ یہ بات آپ کو برداشت نہیں ہوگی"۔

"برداشت تو یہ بات بھی نہیں ہورہی ہے، رشتوں کو تم نے مذاق سمجھا ہے، جب چاہا جس غرض سے چاہا قائم کرلیے، سمجھوتہ نہ ہوسکے، دل راضی نہ ہوسکا تو فنش"۔ وہ کسی طور نہیں مان رہا تھا، وہ بے حد غصے میں تھا، وہ بری طرح ہرٹ ہوا تھا کہ وہ محبت جسے پانا ناممکن لگتا تھا، اس کا حصول یکدم بہت آسان ہوگیا اور وہ وصل کے جگنو آنکھوں میں لیے آیا مگر وہاں کوئی اس کا منتظر ہی نہ تھا، رشتہ نہیں غرض قائم ہوئی تھی۔ وہ دکھی ہوا تھا، اس لیے اس کی کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔

"رضا! مجھ سے رشتہ ختم نہ کریں، میں آپ کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی، بس آپ یہ رشتہ دھوکے پر ہی مبنی سہی قائم رہنے دیں کہ میں اپنے بابا سے بہت محبت کرتی ہوں، انہیں کھونا نہیں چاہتی اور وہ مجھے لے کر پہلے ہی پریشان تھے، میری واپسی برداشت نہیں کرپائیں گے، اس شخص سے میں نے بہت شدت سے محبت کی، لیکن اسے مجھ سے محبت نہ تھی، میں نے اسے بھلانا چاہا، بھلا نہ سکی، زندگی میں آگے بڑھنا چاہا اس کی محبت میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالتی رہی، اپنے بابا کی خاطر میں نے اپنے دل کو کند چھری سے ذبح کیا اور آپ سے شادی کے لیے راضی ہوگئی، مگر آپ کے ساتھ زیادتی کرنے کا خیال مجھے بے چین کرنے لگا اور میں نے پیپر میرج کی راہ چنی، آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو خط لکھ بھی دیا تھا، تو کوئی ایک بات تو براہ راست بھی کرنی چاہیے تھی، لیکن میں نے نہیں کی کہ میں ڈرتی تھی کہ کہیں آپ انکار نہ کردیں، جبکہ میں آپ پر بھروسہ کرسکتی تھی، اس لیے میں نے پیپر میرج کی بات کی، آپ کو 2 سالوں میں اتنا تو جانا تھا کہ آپ ایک اچھے کردار کے، بات کی لاج رکھنے والے انسان ہیں، میں نے کی ہے غلطی، آپ کی اچھائی جو محسوس کی تھی اس کا فائدہ اٹھانا چاہا، میں نے خودغرضی دکھائی، وہ خط کیوں آپ کو نہیں ملا نہیں جانتی، آپ کو اگر وہ ملتا تو راضی نہ ہوتے یہ جان گئی ہوں، مگر التجا کررہی ہوں کہ جو ہوگیا ہے اسے لوٹایئے مت، رشتے کو جس طرح میں ادھورا نام

نبھا رکھنا چاہتی ہوں، اگر اس پر اعتراض ہے تو میں رشتے کو اہمیت دیئے، سمجھنے قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

"کیا یہ سب تمہارے لیے کرنا اتنا ہی آسان ہے جتنی آسانی سے یہ سب تم کہہ گئی ہو؟" وہ یکدم ہی نگاہ چرا گئی۔

"رضا احمد! کسی کی مجبوریوں سے فائدہ نہیں اٹھایا کرتا، تم یہاں جب تک چاہو رہ سکتی ہو، مگر اتنا یاد رکھنا کہ پیپر میرج کی بات اس کمرے سے نکلنی نہیں چاہیے اور تم اس رشتے کو اہمیت نہ دو، میں نام نہاد رشتے کو نبھاتا رہوں، لیکن چونکہ تم میرے نکاح میں ہو تو اتنا تم سے ضرور چاہوں گا کہ تم کچھ ایسا نہ کرو جو میری عزت و غیرت پر سوال اٹھا دے۔" وہ اس کی گریہ وزاری سے مجبور ہوا، اپنے دل سے مجبور ہوا، کیسے بھی ہوا ہو گیا اور اس کی منشاء کے مطابق فیصلہ کرتا وہاں ٹھہرا نہیں، دن یوں ہی بے کیف سے گزرنے لگے، ان دونوں میں بات چیت اور بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی، ہاں البتہ اس نے خود کو رضا کی بہن اور ماں سے کافی مانوس کر لیا تھا، گھر کے کام بھی شوق اور دل جمعی سے کرتی تھی، رضا کی امی، بہو سے بے حد خوش تھیں اور وہ دونوں کمال کی اداکاری کرتے اپنے پیرنٹس کو مطمئن کیے ہوئے تھے اور بے کیف خاموش وقت میں ہلچل اس دن مچی جب وہ رضا کی امی کے انسسٹ کرنے پر رضا کے ساتھ ڈنر پر گئی اور ریسٹورنٹ میں وہ دونوں کھانے سے فارغ ہوتے کافی کے سپ لے رہے تھے، جب وہ ایک بے حد آشنا اور مانوس آواز پر چونکی اور لمحے کے ہزارویں حصے میں اس جانب متوجہ ہوئی اور پورے اٹھارہ ماہ بعد زیان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پتھرا سی گئیں، زیان بھی ساکت رہ گیا تھا، مگر اپنی فیلنگز اور خود کو کمپوز کرنے میں وہ سدا سے ماہر ہی رہا تھا، وہ جلد ہی بے خودی کے اثر سے نکل گیا اور وہاں سے پلٹ گیا اور اس کو دیکھ کر اس کی پتھرا جانے والی آنکھیں اس کے سامنے سے ہٹتے ہی بہنے لگیں وہ رضا کی پکار پر چونکی، مگر اس کی جانب متوجہ ہونے کی بجائے وہ کرسی کھسکا کر اٹھی اور باہر کی جانب دوڑی جہاں سے وہ گیا تھا، وہ بہت تیزی سے پارکنگ تک پہنچا تھا اور وہ جب تک اسے تلاشتی اس تک پہنچتی وہ گاڑی میں بیٹھ رہا تھا، مگر اس کی پکار پر ہینڈل پر رکھا ہاتھ لرز اٹھا تھا اور وہ تقریباً دوڑ کر اس کے سامنے آ گئی، اگر اس کی نگاہ میں پیاس تھی، چاہت و تڑپ تھی، تو وہ بھی اپنی آنکھوں کو دیدار یار سے سیراب کر رہا تھا، اس کی بے خودی مگر قائم تھی، مگر وہ لمحے کی بے خودی سے نکلتا سر جھٹکتا گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا کہ وہ اس کے ہینڈل پر رکھے ہاتھ پر اپنا مومی ہاتھ رکھ گئی۔

"زیان! یہ مانا کہ ہم میں کوئی تعلق نہیں ہے، مگر اتنی تو شناسائی ہمارے درمیان رہی ہے کہ آپ یوں اجنبی بن کر نہ گزرو۔" اٹھارہ ماہ کی تھکن اور بے بسی اس کے لہجے میں سمٹی اسے پورے وجود سے ہلا گئی اور وہ اسے دیکھنے لگا جس کا حسین چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، نگاہوں میں بے قراری اور ٹوٹے سپنوں کی کرچیاں، عنابی لبوں پر ٹوٹتی بے بسی، ہلکا ہلکا لرزتا متناسب سراپا، وہ اس کی چھلکتی چاہت میں خود کو ڈوبتا محسوس کر رہا تھا، عین ممکن تھا کہ آج اس کا پتھر دل پسیج جاتا، مگر عین اسی وقت رضا اسے پکارتا وہاں آ گیا، مگر اس نے اب بھی زیان کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی اس نے اس خوبرو نوجوان کو دیکھا اور اس کے چہرے پر پریشانی و غصے کے ملے جلے تاثرات محسوس کیے، اس کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔

"تم جس شناسائی کی بات کرتی ہو عشبہ! وہ میرے لیے کبھی اہم رہی ہی نہیں، اس لیے مجھے اجنبی بن کر گزر

جانا ہی بہتر لگا، کہ تمہاری فضول باتوں کے لیے نہ پہلے میرے پاس وقت تھا نہ آج ہے''۔ بائیں سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہٹا دیا تھا۔

''کیوں تمہیں میری محبت پر یقین نہیں آتا زیان؟ کیوں تمہیں میری چاہت، میرے دل کی داستان فضول لگتی ہے؟'' وہ سسکی تھی، زیان تو زیان، رضا بھی اس کی تڑپ پر ساکت رہ گیا تھا، مگر وہ وہاں مزید ٹھہر کر نہ اس کا امتحان لے سکتا تھا نہ ہی اپنا ضبط کھو سکتا تھا، اس لیے بڑی تیزی سے گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی نکال لے گیا، اور وہ وہیں نیچے زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور وہ یوں تڑپ کر بلک بلک کر روئی کہ وہاں سے گزرتے لوگ تھم کر پریشانی سے دیکھنے لگے، رضا دوزانو اس کے سامنے بیٹھا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اس کے سینے سے لگ کر مزید رونے لگی۔

''رضا! وہ مجھ سے کیوں محبت نہیں کرتا؟ کیوں اس پر میری محبت اثر انداز نہیں ہوتی؟ اٹھارہ ماہ تڑپی ہوں اس کی ایک جھلک دیکھنے کو، اس کی آواز سننے کو، مگر وہ ہمیشہ کی طرح مجھے ناکام و نامراد کر گیا، وہ کیوں میرے ساتھ ایسا کرتا ہے رضا؟ اسے کیوں میری محبت نظر نہیں آتی؟'' وہ اس کے پہلے دھچکے سے نہیں سنبھلا تھا کہ اس کا اس کے سینے سے لگ کر رونا، تڑپنا، رضا کا وجود سنسنا اٹھا تھا اور اس کے دل میں عشبہ کے لیے ہمدردی کے جذبات ابھرنے لگے تھے، اسے روتی تڑپتی عشبہ پر بے پناہ ترس آنے لگا تھا تو اس نے نرمی سے اس کی پشت پر حصار باندھا تھا۔

''ریلیکس عشبہ!'' وہ بڑی نرمی سے کہنے لگا تھا، مگر وہ اس کی بانہوں میں ہی جھول گئی تو وہ اسے لیے پریشانی سے اسپتال دوڑ گیا، اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا، گیارہ گھنٹے بعد ڈاکٹرز کی بے پناہ کوشش، رضا کی دعاؤں اور اللہ کی رحمت سے وہ خرد میں لوٹ آئی تھی، مگر ہوش و بے ہوشی کے درمیان ڈولتی وہ اسی ایک نام کا ورد زبان پر رکھے ہوئے تھی۔

''زیان.....!'' اور وہ جو فیصلہ کر نہیں پا رہا تھا ایک دم ہی وہ فیصلہ ہو گیا اس نے عزوج سے رابطہ کیا اور اس سے زیان کے بارے میں پوچھا، پہلے تو وہ ٹھٹکی اور پھر اس نے کچھ سوچ کر تمام تر تفصیل رضا کو بتا دی۔

☆........☆........☆

وہ ایک بہت سرد سی رات تھی، وہ بے خبر سو رہی تھی اور اس کی آنکھ عجیب سے شور اور دھمک پر کھلی تھی، شور کھڑکی کی آواز پر پیدا ہوا تھا اور دھمک قدموں کی تھی، اس نے اٹھتے ہوئے مندی مندی آنکھوں سے سامنے دیکھا تھا اور وہاں موجود شخص پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں اور نیند تو یوں اڑی تھی جیسے کبھی نیند آئی ہی نہ ہو اور وہ اس وقت سو کر ہی نہ اٹھی ہو، وہ اسے اپنے کمرے میں رات کے آدھے پہر وہ بھی کھڑکی سے آنے پر نہ خوف کا شکار تھی نہ ہی خوفزدہ تھی، وہ تو بے یقینی و بے تابی سے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، اس نے کب سوچا تھا کہ وہ ایک دن اچانک اس کے سامنے آ جائے گا اور وہ اس کی کیفیت سے انجان پینٹ کی جیب سے ریوالور نکال کر رخ اس کی طرف کر کے بولا۔

''منہ سے آواز نکالی یا ہلنے کی کوشش کی تو جان سے مار دوں گا''۔ اور وہ تو اس کو دیکھ کر ہی ساری سدھ بدھ بھول گئی تھی، وہ نہ اپنی جگہ سے ہلی نہ ہی ایک لفظ بولی تو اس نے الماری کھول کر جیولری نکالی، سائیڈ ٹیبل پر رکھا قیمتی موبائل اور ریسٹ واچ اٹھا کر جیب میں ڈالے اور تب ہی بت بنی اس لڑکی پر نظر گئی اور کچھ ثانیے تو وہ نگاہ ہٹا نہ سکا کہ وہ کافی خوبصورت تھی اور کچی نیند سے جاگی،

ڈارک براؤن آنکھیں ان میں ایسا کچھ تھا کہ جو اسے ٹھٹکا گیا تھا، مگر وہ کچھ ہی دیر میں خود کو کمپوزڈ کر گیا، مگر اتنی دیر تو ہوئی تھی کہ اس کی نگاہ کمال کر گئی تھی اور اس کا خوبصورت چہرہ اناری ہوگیا تھا، عنابی لب اور سیاہ خمدار پلکیں لرز اٹھی تھیں، اور وہ بہت سنبھل کر اسے دیکھنے لگی تھی جسے اس نے آج سے چار سال قبل ایک بس اسٹاپ پر کھڑے دیکھا تھا، مگر اس دیکھنے میں نجانے کیا تھا کہ اس کی نگاہ پلٹ نہیں سکی تھی، اور اس نے پچھلے چار سالوں میں اس چہرے کو اتنا تلاشا تھا کہ تلاش کے معنی بھی بھولنے لگے تھے، اور آج وہی اک معجزے کی طرح اس کے سامنے تھا، دونوں کی نگاہ ٹکرائی تھی، ایک کی نگاہوں میں جذبات وشوق کے جہان سے آباد تھے، اور دوسرے کی نگاہ بے تاثر انداز میں پلٹ گئی تھی۔

''اپنی جیولری اتار کر دو''۔ وہ اس کی آواز پر بے خودی سے نکلی تھی۔

''ٹائم نہیں ہے میرے پاس، فوراً جیولری اتارو''۔ اس کو بیٹھے دیکھ کر وہ تلخی سے بولا تھا کہ وہ خود پر اس کی نگاہیں محسوس کر کے عجیب سی الجھن محسوس کر رہا تھا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' اس کے پوچھنے پر زیان نے اسے یوں دیکھا جیسے یقین ہو کہ وہ حواسوں میں نہیں ہے۔

''محترمہ! زیادہ ہوشیار بن کر مجھے باتوں میں نہ لگاؤ، اور جو کہا ہے وہ کرو، ورنہ گولی چلا دوں گا''۔ وہ بھڑک کر بولا۔

''مجھے ہوشیاری ہی دکھانا ہوتی تو تمہیں الماری سے جیولری نکالنے نہ دیتی، میں نے تمہیں نہ پہلے روکا نہ اب کچھ دینے سے انکار ہے، جو کچھ یہاں سے لے جانا چاہو لے جاسکتے ہو، اپنا نام بتادو گے تو یہ تمہارا مجھ پر احسان ہوگا''۔ وہ بولتے ساتھ ہی ٹاپس اتارنے لگی جبکہ وہ حیرانگی و بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیجیے....!'' وہ اس کی آواز پر چونکا اور ہاتھ بڑھا دیا تو اس نے ٹاپس، رنگ اور چین لاکٹ اس کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیئے، اور وہ دل ہی دل میں اس کو پاگل کہتا کھڑکی کی طرف بڑھا۔

''آپ دروازے سے چلے جاؤ، کھڑکی سے چھلانگ لگاؤ گے تو کوئی نقصان بھی ہوسکتا ہے''۔ وہ اس کی طرف گھوما تو وہ ہلکے سے مسکرائی تھی جس پر وہ جز بز ہوتا اس کے کچھ سمجھنے یا دوبارہ کچھ کہنے سے قبل جیسے آیا تھا، ویسے ہی چلا گیا، وہ اس کو روکنا چاہتی تھی، پکارنا چاہتی تھی، لیکن پکار نہ سکی کہ اس وقت اسے آواز دیتی تو وہ پھنس سکتا تھا اور یہ تمام کارروائی اس نے صبح عروج کو کتنے مزے سے سنائی تھی۔

''اوف عشبہ! تمہارا دماغ خراب ہوگیا تھا، تم کچھ بولتیں کیوں نہیں تھیں؟ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیتا تو؟ تم کمرے میں اکیلی تھیں، وہ کچھ بھی کر سکتا تھا''۔ وہ تو ساری بات سن کر ہی خوفزدہ ہوگئی تھی۔

''نہیں وہ ایسا نہیں تھا، وہ بدنیت یا بدکردار ہوتا ناں عروج! تو وہ سامان لے جانے کی بجائے وہ سب کرتا جو تم کہہ رہی ہو، اس نے تو مجھے نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا، اس کی آنکھیں بہت شفاف تھیں عروج! اکیلی لڑکی کو دیکھ کر ان میں کوئی گندا تاثر نہیں ابھرا تھا، مجھے افسوس تو اس بات کا ہے عروج! 4 سال بعد جب میں اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھکنے لگی تھی، وہ میرے سامنے آگیا، مگر میں اس کے بارے میں کچھ جان نہیں سکی''۔ وہ افسردگی سے بول رہی تھی۔

''اس سے زیادہ اب کیا جاننا رہ گیا ہے عشبہ! کہ وہ ایک چور ہے''۔ وہ بہت تلخی سے بولی تھی۔

''ہاں چور تو ہے وہ، اس نے میرا دل چرایا ہے؟ کاش! کہ وہ کل رات کم از کم اپنا نام ہی بتا دیتا، دوسری

جھلک دیکھنے کو 4 سال انتظار کیا، اب نجانے کب اسے دیکھ پاؤں گی"۔

"تم پاگل ہوگئی ہو"۔

"ہاں، شاید.....!" اس نے بات ہی ختم کردی تھی، اس واقعے کے گیارہویں دن وہ اسے جامعہ میں نظر آیا تھا اور وہ دوڑ کر جب تک اس تک پہنچتی، وہ جا چکا تھا اور وہ کف افسوس ملتی رہ گئی تھی۔

"یہ محبت نہیں ہے عشبہ! تم ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو، پچھلے چار سالوں میں اسے ڈھونڈنے میں، میں نے تمہارا کہیں نہ کہیں ساتھ دیا تھا، لیکن جب سے وہ تمہارے گھر چوری کرگیا ہے اس کے بعد اس کو ڈھونڈنا، تلاشنا مجھے تمہاری بیوقوفی لگ رہی ہے، اس کی برائی اس کی اصلیت تمہارے سامنے آچکی ہے، مگر تمہاری دیوانگی ہے کہ بڑھتی جارہی ہے"۔ وہ شدید غصے کے زیراثر بولی تھی۔

"محبت کسی کی اچھائی دیکھ کر نہ ہوتی ہے نہ برائی دیکھ کر ختم ہوتی ہے"۔

"تم غلطی کررہی ہو، اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی کہ تم کچھ سمجھنا نہیں چاہتیں، اور جو سمجھنا نہ چاہے اسے کچھ بھی کہنا بے کار ہوتا ہے، اور تمہیں بھی فی الوقت سمجھانا بے کار ہے کہ تمہیں وقت بہت جلد سمجھا دے گا"۔ اس وقت بات آئی گئی ہوگئی تھی، مگر اس کی تلاش رکی نہ تھی اور اس کی خوش قسمتی تھی کہ بدقسمتی چند دن بعد ہی وہ جامعہ میں اسی کے ڈیپارٹمنٹ کی کلاس ایم اے پریویس کا اسٹوڈنٹ بن کر اس سے آن ٹکرایا، وہ خود فرسٹ ایئر میں تھی، مگر آتے جاتے ان کا سامنا ہونے لگا اور وہ رہتی ہی محض اس کی ایک جھلک دیکھ لینے کی منتظر تھی، زیان کی کلاس ٹائمنگ تک اس کو پتہ تھیں اور چاہے خود اس کا پیریڈ نکل جاتا، مگر وہ اس کو دیکھ لینے کے لیے اس کی کلاس کے باہر کھڑی ہوجاتی اتفاقات تسلسل سے ہونے لگے تو وہ نوٹس لینے پر مجبور ہوگیا اور اس کے دل میں بھی وہ جگہ بناتی چلی گئی، مگر جیسے وہ اظہار کرنے کو ہر لحظہ بے تاب رہتی تھی، وہ اظہار نہ کرنے پر بے تاب رہتا تھا، یونیورسٹی میں بھی اچھا خاصہ اس کا تماشہ بن چکا تھا، وہ تو نجانے کیا سوچے ہوئے تھی، اور دنیا کی باتوں کو نظرانداز کیے ہوئے تھی، مگر جب اس کی بچکانہ سی حرکتوں پر اس کے ساتھ زیان کا بھی مذاق اڑنے لگا تو اس کی برداشت نے جواب دے دیا اور اس نے عشبہ سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا، یونیورسٹی میں بات کرتا تو رہی سہی کسر پوری ہوجاتی، اس لیے اس نے کہیں اور بات کرنے کی بات کی تھی، مگر وہ کافی محتاط انسان تھا، اس لیے باہر کسی ریسٹورنٹ کی بجائے عشبہ کے گھر اس سے ملنے آیا تھا، اور اس کے تو پیرز مین پر نہیں پڑ رہے تھے، اس نے زیان کی آمد کی خوشی میں خود کو ہی نہیں گھر کو بھی سجایا سنوارا تھا، اور اس کے لیے ان گنت ڈشز یہ سوچ کر بنوائی تھیں کہ نجانے کھانے میں اسے کیا پسند ہو؟ عشبہ کو ڈارک بلو اسٹائلش شرٹ اور ٹراؤزر میں لائٹ سے نیچرل میک اپ میں دیکھ کر لمحہ بھر کو تو اس کی نگاہ ٹھٹک گئی تھی، مگر اس کی نگاہ خود پر محسوس کرکے اسے کوفت ہونے لگی تھی، اسی لیے اس نے بہت تلخی سے اسے مخاطب کیا تھا۔

"مس عشبہ! آپ اپنی ان اوچھی حرکتوں سے آخر ثابت کیا کرنا چاہتی ہیں؟" وہ بری طرح چونکی۔

"میں سمجھی نہیں زیان! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" وہ اس کے چہرے پر غصے کی لالی دیکھ رہی تھی۔

"وہی جو آپ سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتیں، یونیورسٹی میں آپ نے خود کو ہی نہیں مجھے بھی تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے"۔ وہ بہت ترش لہجے میں بولا تھا۔

"زیان! آپ بیٹھ تو جائیے، بات بیٹھ کر ہوجائے

گی"۔ وہ اپنے مخصوص نرم سادہ لہجے میں ہی بولی تھی۔

"نہ میں بیٹھنے آیا ہوں نہ ہی بات کرنے، میں آپ کو محض تنبیہ کرنے آیا ہوں کہ اپنی حرکتوں سے باز آجایئے کہ آپ کو لڑکی ہو کر جن باتوں اور اونچ نیچ کا خیال نہیں ہے، میں وہ افورڈ نہیں کر سکتا، آپ کا میری راہ میں کھڑے رہنا، آپ پر ہی نہیں مجھ پر بھی انگلی اٹھا رہا ہے"۔ اس کا لہجہ بلند نہ تھا، مگر تھا بہت سخت۔

"میں آپ سے محبت کرتی ہوں زیان!" وہ آج اقرار کی منزل بھی خود ہی طے کر گئی اور وہ مرد ہو کر اس کی جرأت پر ساکت رہ گیا۔

"آپ کی راہ سے ہٹ نہیں سکتی، آپ کی اور اپنی راہیں ایک کر لینا چاہتی ہوں"۔ وہ خاموش تھا اور وہ اپنی خواہش بتا رہی تھی۔

"شٹ اپ، عشبہ! بکواس بند کیجئے اپنی"۔ اس کی خاموشی ٹوٹی تھی۔

"بکواس....؟ آپ کو میرے جذبات، میرے احساسات، میری محبت بکواس لگ رہی ہے؟ ایک نظر دیکھنے کے بعد گیارہ ماہ دیوانوں کی طرح آپ کو ڈھونڈا زیان! اور اس رات جب آپ میرے گھر چوری کرنے آئے تھے، مجھے لگا تھا کہ میری تلاش ختم ہوگئی، مگر آپ ٹھہرے نہیں، اور میری تلاش پھر شروع ہوگئی اور گزرے 3 ماہ میں میری محبت، میری دیوانگی آپ کو دیکھ کر بڑھتی گئی ہے، آپ کو میں خود سے زیادہ چاہنے لگی ہوں زیان! میں تو بس آپ کی پیش رفت کی منتظر تھی اور جب آپ نے کہا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں، تب مجھے لگا کہ میری دعائیں قبولیت کا شرف پا گئی ہیں، اور آپ کہتے ہیں کہ آپ مجھے صرف تنبیہ کرنے آئے ہیں، کیوں آپ کو میری محبت نظر نہیں آتی؟ کیوں آپ میری محبت سمجھ نہیں پا رہے زیان! پلیز میرے ساتھ ایسا مت کریں، میں آپ کو بہت چاہنے لگی ہوں، آپ کا گریز، آپ کا ایک نگاہ مجھ پر نہ ڈالنا، مجھے یوں نظر انداز کر کے گزرنا، جیسے ہوں ہی نہ، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، آپ کی بے رخی اور بے اعتنائی میری جان لے لے گی زیان! مت کریں ایسا میرے ساتھ زیان! پلیز مت کریں"۔ اس کے لہجے میں جذبوں کی آنچ اور اپنی ناقدری کا احساس بول رہا تھا، آنکھوں میں نمی، اس کے لیے ٹھاٹھیں مارتا محبت کا سمندر، وہ لڑکی اسے بت بنا گئی تھی۔

"محبت کسی سے زبردستی نہیں کی جا سکتی عشبہ! اور مجھے آپ سے محبت نہیں ہے اور آپ کی حرکتیں ہم دونوں کو ہی تماشہ بنا رہی ہیں، اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا سیکھیے، محبت کو مذاق مت بنائیں"۔ کمرے میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں اور ایسے میں وہ کافی دیر بعد خود کو کمپوز کرتا بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"میں مذاق بنتی ہوں، میرا تماشہ بنتا ہے تو بننے دیجئے، مجھے دنیا کا کوئی ڈر نہیں ہے، میں نے محبت کی ہے آپ سے، میں برملا اس کا اعتراف کرتی ہوں، کوئی گناہ نہیں کیا، جسے چھپانے کا تردد کروں، دنیا سے ڈروں، اور آپ کی آنکھوں میں بھی صاف لکھا ہے زیان! کہ آپ کو بھی مجھ سے محبت ہے"۔

"مجھے آپ سے محبت نہیں ہے عشبہ! اور بہتر ہوگا کہ آئندہ آپ میری راہ میں نہ آئیں، ورنہ مجھے ولی ایکشن لینا پڑے گا"۔ اس کے ٹھہر جانے والے ہاتھ کو اپنے بازو سے بری طرح جھٹک دیا تھا۔

"آپ کو سچ میں مجھ سے محبت نہیں ہے؟" اس کا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا تھا، اس کا دل چاہا تھا کہ کہہ دے کہ۔

"ہے اسے بھی محبت"۔ مگر نہیں وہ دل کی نفی کرتا بولا۔

"مجھے آپ سے محبت نہیں ہے اور جس طرح آپ

میری راہوں میں دیدہ و دل فراش کیے ہر لحظہ منتظر رہتی ہیں، اس طرح آپ کا کردار، آپ کا امیج میری نگاہ میں بری طرح متاثر ہو رہا ہے، کیونکہ جسے آپ محبت کہتی ہو وہ مجھے بے باکی لگ رہی ہے، اور ایسی لڑکی جس کا امیج ہی میری نگاہ میں اچھا نہ بن پا رہا ہو، اسے میں اپنے دل میں جگہ دے ہی نہیں سکتا"۔ وہ بہت تلخی سے بولا تھا اور اس کی آنکھیں پتھرا سی گئی تھیں۔

"میں ایسی نہیں تھی زیان! آپ کی محبت نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے"۔ وہ سسکی تھی۔

"اور آپ کی محبت مجھے تماشہ بنا رہی ہے، میں ایک بہت برا انسان ہوں، چوری ڈکیتی، خون خرابہ کرنا میرا کام ہے، کتنے ہی قتل کر چکا ہوں، اسمگلنگ کرتا ہوں، موت کا کاروبار کرتا ہوں میں مس عشبہ! میرے اندر بہت سی شخصی اور غیر انسانی برائیاں ہیں، لیکن میرے کردار میں کسی قسم کا جھول نہیں ہے، شراب پیتا ہوں پھر بھی شباب سے دور رہتا ہوں اور دور ہی رہنا چاہتا ہوں، میں نے اس زندگی میں بہت کچھ کھویا ہے، اپنے رشتے، زندگی، عزت کی زندگی، لیکن باکرداری نہیں کھونا چاہتا کہ ہر برائی کے بعد صرف ایک اس اچھائی کی امید پر ربّ کے سامنے جھکتے ہوئے ندامت محسوس کرتے ہوئے بھی جھکتا ہوں، یہی میرا اثاثہ ہے، جسے آپ چھین لینے کے در پر ہیں، نہیں ہے آپ سے مجھے محبت، نہ مجھے آپ کی محبت کی ضرورت ہے، بہتر ہوگا کہ اپنی راہ الگ کر لیں کہ نہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، نہ ہی کبھی کر سکوں گا"۔

"میں تو آپ سے محبت کرتی ہوں ناں زیان! تو میری محبت کو ایکسیپٹ کر لیں، اپنے لیے نہیں میرے لیے مجھے اپنا لیں"۔ وہ ملتجی ہوئی تھی۔

"محبت خیرات میں بانٹی جاتی، یا رشتے خیرات کے نام پر جوڑے جاتے تو شاید میں خود کو تمہیں دان کر دیتا، مگر میں اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوں کہ جس لڑکی کو چاہا نہیں، سوچا نہیں، اسے اس کی خاطر اپنا لوں کہ میں زندگی اپنے لیے جیتا ہوں، میری زندگی، میرا وجود خیرات میں بھی تمہیں خیرات نہیں کر سکتا، آج میں نے تمہیں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے، قدم پیچھے ہٹا لوگی تو فائدے میں رہوگی، سراب کے پیچھے بھاگ کر خساروں کا سودا کرنا چاہو تو آپ کی مرضی، کہ میں آپ کو زندگی کی کسی بھی راہ پر ملنا نہیں چاہوں گا اور ملا تو اجنبی ہی رہنا، اجنبی بن کر گزرنا ہی میری چوائس ہوگی"۔ وہ اس کے جذبات کو بے دردی سے ٹھکراتا اس کی بے یقین آنسوؤں میں ڈوبی آنکھیں، چہرے پر بچھا کرب کا حال اپنے دل میں بناتا وہاں سے نکل گیا تھا، فیصلہ ہو چکا تھا، راہ متعین ہو گئی تھی، مگر وہ راستے الگ نہیں کر سکی تھی، اس کی محبت اپنے دل سے نکال نہیں سکی تھی، جس نے اس کی محبت کو نہ سمجھا تھا، اس کی تذلیل کی تھی کہ محبت کی جڑیں ہرگز بھی کمزور نہیں ہوتیں، یہ اور بات ہے کہ اس کی محبت یکطرفہ تھی اور یہی بات اسے بے چین رکھتی تھی، مگر یہ اس نے اسے یقین دلایا تھا، جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی، حقیقت وہی تھی جو اس نے محسوس کی تھی اور یہی احساس اسے محبت کرتے رہنے پر مجبور کرتا رہا تھا کہ وہ محبت کی راہ پر اکیلی نہیں چلی، اس کا محبوب ہمقدم تھا لیکن.....!

☆..........☆..........☆

"تم میری زندگی کے بارے میں آخر جان کر کرو گے کیا؟ میری زندگی میں دکھوں اور اذیتوں کے سوا کچھ نہیں ہے، تمہاری یہ کوشش میرے سارے زخم ادھیڑ دے گی"۔ وہ بہت دکھ سے بولا تھا۔

"میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے زیان! لیکن شاید کہ میں تمہاری اور عشبہ کی کچھ مدد کر سکوں"۔ رضا نے عروج

سے ساری تفصیل جاننے کے بعد زیان سے رابطہ کیا تھا۔

''میں خود اپنی کوئی مدد نہیں کر سکتا رضا! تم کیا میری مدد کرو گے؟ ہاں تم جو جاننا چاہتے ہو آج وہ تم سے ضرور شیئر کروں گا کہ اپنے دل کی بات کہنے کو دکھ سنانے کو مجھے ایک ہمدرد سامع کی ضرورت تھی اور میں بھی زندگی سے بھاگتے بھاگتے خود کو جھٹلاتے محبت کی نفی کرتے تھک گیا ہوں، مجھے بھی سہارے کی ضرورت ہے''۔ اس نے دلگرفتگی سے کہہ کر اپنے شانے پر رکھے رضا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا اور اس نے خیر مقدمی مسکراہٹ اچھالی تھی، وہ دونوں صوفوں پر بیٹھ گئے اور زیان نے کہنا شروع کیا۔

''میرا تعلق ایک سفید پوش گرانے سے تھا، اور ہماری سفید پوشی کا بھرم جب تک قائم رہا، جب تک ابو زندہ تھے، ابو کیا فوت ہوئے، پریشانیاں اور مصائب ہم پر ٹوٹ پڑے اور سفید پوشی کا بھرم بھی جاتا رہا، میں نے انٹر کیا تھا اور بی کام میں داخلہ لینے کا ارادہ خواب بننے لگا تھا، کیونکہ میری پانچ بہنیں تھیں اور میں اب اپنی بیوہ ماں اور پانچ بہنوں کا آخری سہارا رہ گیا تھا، میری دو بہنیں مجھ سے بڑی تھیں، میری نہ تعلیم تھی نہ عمر، اچھی جاب کیسے ملتی؟ گھر کا خرچ چلانے کو میں نے ایک ورکشاپ میں جاب کر لی، میری ایک بہن نے بی۔ اے کیا تھا اس نے اسکول میں جاب کر لی اور دوسری بہن جو بی۔ اے پارٹ ٹو میں تھی اس نے ایک آفس میں ریسپشنسٹ کی جاب کر لی اور یوں گھر کی گاڑی چل پڑی، عروسہ آپی بہت خوبصورت تھیں، اور مُردوں کی دنیا میں تو کیا خوبصورتی اور کیا بدصورتی؟ لیکن ان کی خوبصورتی ان کی دشمن بن گئی، آپی ریسپشنسٹ سے سیکریٹری بنیں، اور باس کی خواہشات سامنے آنے لگیں، باس کی خواہشات اس کے غلط ارادے آپی پر کھلنے لگے اور جس دن اس نے اپنے غلط ارادے کو عملی جامہ پہنانا چاہا آپی نے عزت بچانے کے لیے جان دے دی، جوان بیٹی کی ناگہانی موت نے اماں کو توڑ کر رکھ دیا اور مجھے آپی کے ساتھ کیا ہونے جا رہا تھا جب ان کی لاش لینے گیا تھا، خوب اندازہ ہو گیا تھا، اندازہ کیا آپی کے آفس کے پیون نے مجھے خود سب بتایا تھا کہ آپی نے خودکشی کن حالات میں کی، بہن کی موت اور حالات نے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بالکل ہی ختم کر دی اور میں آپی کے باس کو قتل کرنے کے جرم میں جیل چلا گیا، اماں یہ صدمہ برداشت نہ کر سکیں اور چاروں بیٹیوں کو بے سہارا چھوڑ کر چلی گئیں، مجھ پر کیس چلا، حالات اور واقعات اور میری عمر کے پیش نظر مجھے پندرہ سال قید بامشقت کی سزا ملی اور جیل میں ہی میری ملاقات سیٹھ اکرام کے بیٹے سے ہوئی، وہ اسمگلنگ کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا، مگر 24 گھنٹوں میں ہی جیل سے رہا ہو گیا اور اس نے مجھے جیل سے نکلنے کی آفر کی تھی، جو میں نے ٹھکرا دی تھی، آپا مجھ سے جیل ملنے آئی تھیں اور پولیس کے عملے کی فضول چیپ باتیں، گھٹیا اور گندی نگاہیں، میں نے آپا کو وہاں پھر کبھی آنے سے منع کر دیا، مگر میری بہنیں تو بے سہارا ہو گئی تھیں، جس محلے میں عزت سے رہتی تھیں، وہیں رہنا مشکل ہو گیا تھا، آپا آفس چلی جاتیں تو تینوں بہنیں اپنے ہی گھر میں ڈری ڈری رہتیں، میری بہنوں کے لیے زندگی اور عزت سے رہنے کے تمام مواقع بند ہوتے جا رہے تھے، مگر آپا نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا، یہ تمام صورتحال مجھے سیٹھ اکرام کے بیٹے کے ذریعے پتہ چلی تھی اور سیٹھ اکرام کے بیٹے کے بعد چند دن بعد وہ خود مجھ سے ملنے جیل آئے اور انہوں نے مجھے آفر دی کہ ان کا اسمگلنگ کے کاروبار میں حصے دار بننے کو تیار ہو جاؤں تو وہ مجھے جیل سے نکال لیں گے اور مجھے نہ

صرف دنیا کی ہر آسائش ملے گی بلکہ میری بہنیں بھی محفوظ ہو جائیں گی، بس مجھے خود کو ان کے پاس گروی رکھنا ہوگا، میں صرف وہ کروں گا جو وہ چاہیں گے، میں نے اس بارے میں سوچا تو مجھے یہ سودا مہنگا نہیں لگا کہ 15 سال کم نہیں ہوتے، اس عرصے میں میری بہنوں کا نجانے کیا ہوتا؟ بس پھر فیصلہ ہوگیا اور میں جیل سے نکل آیا، میں سیٹھ اکرام کا بہت خاص آدمی بن گیا اور اس کے ہر کالے دھندے کا شریک و معاون، زندگی سہل ہوگئی، میں نے اپنے آپ کو اپنی تمام اچھائیوں کو گروی رکھ دیا، سکون و اطمینان نہ تھا، لیکن میری بہنیں محفوظ ہوگئی تھیں، سب سے چھوٹی بہن کی پچھلے ماہ ہی شادی کی ہے میں نے، اپنے لیے صرف جیل جانے سے پہلے تک جیا تھا اور جب عشبہ کو دیکھا تھا اس دیوانی کی محبت کو محسوس کر کے جب محبت کی کونپل دل میں پھوٹتی محسوس کی تھی، اپنے لیے جینے کی خواہش نے سر اٹھایا تھا مگر اس وقت میں ایسا نہیں کر سکتا تھا، اس لیے عشبہ کو نظر انداز کیا، مگر اس کی محبت میں اتنی خودسری اور کشش تھی کہ میں کھنچا جا رہا تھا اور شاید میں اس کے حق میں اپنی خاطر کوئی فیصلہ کر لیتا، مگر انہی دنوں سیٹھ اکرام کی سب سے چھوٹی بیٹی U.K سے تعلیم حاصل کر کے لوٹ آئی اور اس کا نگاہِ انتخاب مجھ پر ٹھہر گیا، اور اریبہ نے مجھے پسند کیا تو سیٹھ اکرام نے خود بیٹی کا پرپوزل دیا اور میرے پاس تو اقرار و انکار کا حق ہی نہ تھا، میں نے خود کو سیٹھ اکرام کے سامنے گروی جو رکھا تھا، ایسے میں عشبہ کو تو مایوس کرنا ہی تھا، میں نے اپنی پہلی و آخری ملاقات میں اس کی محبت ٹھکرا دی، لیکن نہ وہ مجھے بھلا سکی اور نہ ہی میں اسے، جبکہ میں اریبہ سے شادی کر چکا ہوں، اب تو بس یہی دعا ہے کہ عشبہ تمہارے ساتھ خوش رہے''۔ اس نے خاموش ہو کر اپنے آنسو پونچھے تھے۔

''وہ تمہیں بھولے گی تو میرے ساتھ خوش رہے گی ناں زیان! اس نے تم سے بے حد محبت کی ہے، اس نے تو مجھ سے پیپر میرج کی ہے کہ وہ تمہاری جگہ کسی کو نہیں دینا چاہتی، وہ مقام کسی کو نہیں دے سکتی جو اس کے دل نے تمہیں دیا ہے''۔

''وہ بے وقوفی کر رہی ہے تو کم از کم تم تو بے وقوفی نہ کرو، اس کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی کی ابتداء کرو، وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کی مصروفیت میں وہ مجھے بھول جائے گی''۔ وہ خود کو کمپوزڈ کرتا بولا تھا۔

''ہاں شاید.... اور میں تم تک تو اس لیے آیا تھا کہ شاید تم اور عشبہ ایک ہو سکو''۔

''نہیں رضا! یہ کبھی ممکن نہ تھا، نہ ہی کبھی ممکن ہوگا کہ سارا جہاں تو کسی کو نہیں ملتا، کسی کو زمین نہیں ملتی اور کسی کو آسمان، عشبہ بھی یہ حقیقت کسی نہ کسی دن سمجھ جائے گی''۔ وہ زیان کے گھر سے نکل آیا تھا اور اسے بھی یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن پرانی محبتوں کی جگہ نئی محبتیں لے لیں گی کہ وقت اور زندگی کبھی نہیں رکتی، جب تک سانس چلتی ہے، تغیر و تبدیلی وقت و حالات میں ہی نہیں جذبات میں بھی آتی ہے کہ زندگی اور جذبات و احساسات کی مثال بہتے ہوئے پانی کی طرح ہوتی ہے، بہتا ہوا پانی، زندہ جذبات کی ترجمانی کرتا، کشادگی و فراخدلی کا احساس دلاتا، آگے بڑھتے رہنے پر مجبور کرتا ہے جبکہ ٹھہرا ہوا پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے، اس سے سڑاند آنے لگتی ہے، اور ٹھہری ہوئی زندگی موت بن جاتی ہے اور جب تک انسان زندہ ہوتا ہے، اسے اس کے جذبات و احساسات کو بہتا ہوا پانی بنا ہی پڑتا ہے، ورنہ زندگی کا سفر رک جاتا ہے، پانی بہنے، زندگی چلنے، چلتے رہنے کا نام ہے۔

☆.........☆.........☆